Fikr-o-Nasar (Islamabad) 6:2 (1968)

اسلام کا معاشی نظام

مولانا شمس الحق افغانی (تمغۂ امتیاز)

سابق وزیر معارف شرعیہ ریاست ہائے متحدہ بلوچستان، حال شیخ التفسیر جامعہ اسلامیہ بہاول پور

مولانا ۱۹۲۰ء میں دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل ہوئے۔ پھر زیارت حرمین شریفین اور بلادِ عربیہ کی سیاحت کو تشریف لے گئے، وہاں تقریباً دس ماہ مکتبۂ حمیدیہ کے کتب خانہ سے استفادہ کیا۔ واپسی پر دارالعلوم دیوبند میں شیخ التفسیر مقرر ہوئے۔ اور پانچ سال درسِ تفسیر دیا۔ ازاں بعد جامعہ اسلامیہ ڈابھیل سورت میں صدر المدرسین مولانا شبیر احمد عثمانی صاحب کے قائم مقام بنائے گئے۔ آپ گیارہ سال تک ریاست ہائے متحدہ بلوچستان قلات میں بعہدہ وزارتِ معارفِ شرعیہ فائز رہے۔ اب ۱۹۶۲ء سے محکمۂ اوقاف اکیڈمی کوئٹہ اور پھر جامعہ اسلامیہ بہاول پور میں شیخ التفسیر ہیں۔ مولانا موصوف کی تصانیف سے معین القضاۃ و المفتین (عربی)، شرعی ضابطہ دیوانی اردو، دینِ فطرت، عالمگیر مذہب، ترقی اور اسلام اور سوشلزم اور اسلام، چھپ چکی ہیں۔ اور التنقیح الشذی شرح جامع الترمذی اور علوم القرآن زیرِ طبع ہیں۔

مولانا کے پردادا مولانا سعد اللہ حضرت سید احمد شہید بریلوی کے خلیفہ تھے اور جنگِ اکوڑہ میں انہیں شہادت نصیب ہوئی۔ ——— (مدیر) ———

اعتدالیت اسلام چونکہ دینِ فطرت ہے۔ اس لئے اسلام نے اپنے معاشی نظام میں بھی فطرتِ انسانیہ کا لحاظ رکھا۔ اور تمام فطری امور کو اپنی حالت پر رہنے دیا۔ البتہ جہاں کہیں ان میں کجی، زیغ اور بے اعتدالی واقع ہوئی تھی، اس کا ازالہ کر کے اس کو اعتدال پر لایا گیا۔ اسلام کے معاشی نظریہ کے خلاف اکتنازیت اور اشتراکیت کے معاشی نظریات میں چونکہ بے اعتدالیت اور فطرتِ انسانی کے حدود سے انحراف موجود تھا، کیونکہ یہ دونوں نظریات جذباتی تھے، اور جذباتی نظریات کے لئے فطرت کی حدود شکنی

لہ یہ مقالہ بین الاقوامی اسلامی کانفرنس منعقدہ راولپنڈی کے لئے لکھا گیا۔ مدیر

لازمی ہے، اس لئے اسلام نے اپنا معاشی نظام ایسا معتدل اور موافق فطرت رکھا کہ اس میں انسان کے تمام طبقات کا معاشی تحفظ اور حقوق کی رعایت بھی موجود رہی۔ اور سرمایہ دارانہ نظام اور اشتراکی نظام کی تمام خامیاں بھی اس میں دُور کی گئی ہیں۔ اسلام نے اپنے معاشی نظام میں اُن تمام دروازوں کو بند کیا جن سے عوام کی معاشی حالت متاثر ہوتی تھی۔ جن سے سرمایہ دار غریب طبقے کا خون چوستے تھے اور ان تمام اُمور کی بھی مخالفت کی گئی، جن سے انسانی حریّت اور شرافت اور خود مختارانہ جوشِ عمل پر بُرا اثر پڑتا تھا۔ مال کے سکون کو اس نے حرکت میں تبدیل کیا۔ غرباء میں امراء کے خلاف حسِّ عدوانی کو تیز کرنے کی بجائے حسِ ایمانی اور اخلاقی کے ذریعہ دونوں میں محبت کا ربط قائم کر کے فقراء کے حقوق کو محفوظ کیا گیا۔ بجائے غیر فطری مالی مساوات کے امراء اور غرباء میں اکتسابِ رزق میں قانونی مساوات کو قائم کیا۔ قوانینِ عدلیہ میں امیر و غریب اور شاہ و گدا کو برابر رکھا۔ اور ایسے امور میں جو انسانی جدوجہد کی پیداوار نہیں اور جن پر انسانی سعی و عمل اور محنت کے ذریعہ سے جائز طریقے سے بالذات یا بالواسطہ کسی انسان کا قبضہ نہ ہوا ہو، ان کو سب انسانوں کی مشترکہ ملکیت قرار دیا۔

یہ وُہ دس اُصول ہیں، جن پر اسلام کے معتدل معاشی نظام کی عمارت قائم ہے۔

اُمورِ فطریہ انسانیہ کو اپنی حالت پر قائم رکھنا اور اشتراکی بے اعتدالی کی تردید

کمیونسٹ معاشی نظام میں غیر فطری مصنوعی مالی مساوات ہے۔ اور سرمایہ دارانہ نظام میں غیر فطری تفاوت ہے۔ اسلام نے اعتدال قائم کیا اور دونوں کی تردید کی مصنوعی مساوات کی تردید کی کہ وہ خلافِ فطرت ہے۔ جب قدرت نے انسان میں دولت کی تخلیقی قوت میں فرق رکھا ہے۔ اور سب انسانوں کی فکری اور دماغی قابلیت برابر نہیں اور نہ عملی قوت یکساں ہے تو انہی دو قوتوں کے فطری تفاوت کی وجہ سے انسانی طبقات میں مالی تفاوت کا رونما ہونا لازم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فکری اور دماغی قابلیت کے تفاوت کی وجہ سے تمام ملازم طبقوں کی تنخواہ یکساں نہیں۔ نہ تمام تاجروں کی آمدنی برابر ہے۔ اور نہ تمام اربابِ صنعت و حرفت کی کمائی برابر ہے۔ کیوں کہ فکر و عمل کی قوت برابر نہیں۔ اس لئے فطری تفاوت کے ثمرات و نتائج کو اپنی اصلی فطری حالت کے مطابق قائم رکھنا معقول ہے۔ اور اس فطری تفاوتِ مال کے خلاف جدوجہد درحقیقت فطرت کے خلاف جنگ ہے، جس کو کسی طرح معقول قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اس لئے اسلام نے اس فطری تفاوت کو برقرار رکھا۔ امراء و غرباء کے

دونوں طبقوں کا وجود تسلیم کیا۔ امراء کے طبقہ پر ایسی پابندی عائد کی کہ غریب طبقے کے حقوق بھی محفوظ رہیں اور امراء اپنے فطری حدود سے تجاوز نہ کرنے پائیں۔ یہ پہلی اعتدالیت ہے۔

سرمایہ دارانہ بے اعتدالی کی تردید اور امراء و غرباء دونوں کے حقوق کی حفاظت امراء پر اسلام نے حسب ذیل پابندیاں لگائیں تاکہ اعتدال پیدا ہو کر غریب طبقے کے حقوق محفوظ ہو جائیں۔

۱ : امیر طبقہ حدودِ فطرت و شریعت سے تجاوز کر کے سود کے ذریعہ مال میں اضافہ نہ کرے۔ بلکہ اس کے برخلاف غریب طبقہ کی قرضِ حسنہ کے طور پر امداد کرے۔

۲ : رشوت، ظلم اور دیگر ناجائز ذرائع سے مال نہ کمائے۔

۳ : سرمایہ دار طبقہ وسائل رزق پر مثلاً تجارت، صنعت، کارخانہ سازی، زمینداری، ٹھیکہ داری اور ملازمت پر صرف دولت کے اثر سے اپنا قبضہ جما کر غیر سرمایہ دار طبقے کو محروم نہ کرے تاکہ ان وسائل سے غیر سرمایہ دار طبقہ بھی مستفید ہو سکے۔ اور فطری تفاوت اپنے حدود میں رہے تاکہ وہ قارونیت کی شکل اختیار نہ کر سکے۔ ورنہ بجائے فطری تفاوت کے قارونی تفاوت رونما ہوگا۔ اور تمام وہ مفاسد اور خرابیاں رونما ہوں گی، جو سرمایہ دارانہ نظام کا خاصۂ لازمہ ہے

۴ : امراء کے اموال میں فقراء طبقے کے جو حقوق ہیں، اسلام نے قانون زکوٰۃ و عشر و خراج و دیگر صدقات کے ذریعہ امراء کو فقراء کی حاجت روائی کے لئے جواب دِہ قرار دیا تاکہ ہر سال امراء کے مال سے مناسب حصہ فقراء کو منتقل ہو کر فطری تفاوت اپنی حد کے اندر رہ کر بڑھنے نہ پائے۔

اسلام نے اپنے معاشی نظام میں اکتنازی اور اشتراکی معاشی نظاموں کی خامیوں کا ازالہ کیا اکتنازی اور سرمایہ دارانہ نظام میں سب سے بڑی خرابی سُودی کاروبار ہے۔ اسلام نے ہر قسم کے سُود کو مفرد ہو یا مرکب، حرام قرار دیا۔ اور صرف اصل قرضے کی وصولی کی اجازت دی۔ ارشاد ہے: وَإِن تُبتُم فَلَكُم رُءُوسُ أَموَالِكُم لَا تَظلِمُونَ وَلَا تُظلَمُونَ۔ اگر تم سُود سے توبہ کرو گے تو تم کو صرف اصل قرضہ ملے گا نہ تم ظلم کرنے کے مجاز ہو کہ اصل قرضہ سے ایک کوڑی زائد لو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے گا کہ اصل قرضہ سے ایک کوڑی کم ملے۔ (قرآن) اسی طرح سورۃ بقرہ پ۳ میں: یا ایہا الذین آمنوا اتقوا اللہ وذروا ما بقی من الربٰو ان کنتم مومنین۔ اے ایمان دارو! اللہ سے ڈرو اور

چھوڑ دو جو باقی رہ گیا ہے سُود اگر تم کو اللہ کے فرمانے پر یقین ہے۔ اسی طرح احل اللہ البیع وحرم الربٰوا۔ حلال کیا خدا نے تجارت کو اور حرام کیا سود کو۔ ان تینوں آیات میں اللہ نے سرمایہ داری کے بنیادی نقص کو دور کیا اور سود کی تمام قسموں کو حرام ٹھہرایا۔ خواہ اضعافاً مضاعفۃ ہو یا کم، چاہے ایک ﷼ فی صد ہو۔ البتہ عرب میں ڈبل سود کا بھی رواج تھا، جو سود کی بدترین شکل تھی۔ جب بھی میعاد پر قرضہ ادا نہ ہوتا تھا تو میعاد کے بڑھانے کے ساتھ ساتھ سُود کی مقدار بھی بڑھاتے تھے۔ یہاں تک کہ سود کی رقم دوگنی سہ گنی تک پہنچ جاتی۔ اس کو قرآن نے خصوصی طور پر حرام کیا۔ ولا تاکلوا الربٰوا اضعافاً مضاعفۃ میں یہی شکل سود کی مراد ہے۔ الغرض قرآن نے سُود کے تمام اقسام کے دروازے بند کر دیئے۔ اور سُود خوار کو ایسی شدید دھمکی دی گئی کہ قرآن میں کسی اور جرم پر ایسی دھمکی نہیں دی گئی۔ فرمایا:۔ فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من اللہ ورسولہ۔ اگر سود نہیں چھوڑتے تو تیار ہو جاؤ اللہ اور رسول سے جنگ کرنے کے لئے۔ وان تبتم فلکم رؤس اموالکم۔ اگر سود سے توبہ کر و تو صرف قرض لینا ہوگا۔ نہ اس سے زیادہ چاہے ایک پائی ہو۔ اس سے بعض مغرب زدہ لوگوں کی تحریفِ قرانی کی حقیقت واضح ہو گئی کہ قرآن نے عمومی سود کو بھی حرام کیا۔ اور ایک مخصوص صورت کو بھی جو قبیح تر تھی اس کی حرمت کو بھی خصوصیت کے ساتھ ممنوع قرار دیا۔ ورنہ قرآن کے مضامین میں تعارض لازم آئے گا۔ فلکم رؤس اموالکم والی آیت صرف اصل قرضہ کی وصولی کے ساتھ جواز مخصوص کرتی ہے۔ اسی طرح وذروا ما بقی من الربٰوا والی آیت سُود کا جو بھی باقی ماندہ مطالبہ ہو، اس کو حرام قرار دیتی ہے۔ اب اگر حرمت صرف ڈبل سود سے مختص ہو تو ان دونوں آیتوں کے خلاف ہوگا۔ اور اگر سب صورتیں حرام ہوں تو سب آیتوں پر عمل ہوگا۔ اور کوئی آیت متروک العمل نہ رہے گی۔ یہی معنی تقریباً چودہ سو سال سے ماہرینِ قرآن نے سمجھے۔ قرآن میں لفظی اور معنوی تواتر دونوں ہیں۔ جس طرح الفاظِ قرآن تواتر سے ثابت ہیں۔ اور ان کو زمانے کی تبدیلی کی وجہ سے بدلا نہیں جا سکتا۔ اسی طرح قرآن کے واضح مطالب بھی متواتر ہیں۔ کسی زمانے میں بھی ان متواتر معانی اور مطالب میں تبدیلی و تحریف کی گنجائش نہیں۔ خواہ ربٰوا یا سود ہو یا صوم و صلوٰۃ یا حج و زکوٰۃ یا دیگر مطالبِ متواترہ۔ اگر بالفرض مطالبِ قرآنیہ متواترہ محفوظ نہ رہے۔ اور ہر کس و ناکس جب چاہے اس کو تبدیل کر سکتا ہے تو پھر الفاظِ قرآن کی محفوظیت بھی بے فائدہ ہو کر رہ جائیگی۔ کیوں کہ حفاظتِ الفاظ کی غرض حفاظتِ مطالب و معانی ہیں۔ اگر معانی محفوظ نہیں تو صرف

لفظ کی حفاظت سے کوئی مقصد حاصل نہیں ہو سکتا۔

حرمت متجزی نہیں حرمت اشیاء میں اسلامی ضابطہ یہ ہے کہ اس میں قلیل وکثیر کے لحاظ سے تفاوت نہیں ہوتا کہ کثیر سود حرام ہو اور قلیل جائز ہو۔ چوری کثیر و قلیل دونوں حرام ہیں۔ ڈاکہ کے ذریعہ قلیل وکثیر مال حاصل کرنا دونوں صورتوں میں حرام ہے۔ مُردار کھانا قلیل وکثیر دونوں ناجائز ہے۔ لہذا سود میں یہ حدبندی کہ سود مفرد حلال ہو اور سود مرکب حرام ہو، عقل و نقل دونوں کے خلاف ہے۔ الغرض جو چیز مدارِ حکم ہو، خواہ وہ کم ہو یا زیادہ، اس سے حکم کی تبدیلی نہیں ہوتی۔ مثلاً چوری حرام ہے۔ اور حرمت کا مدار اس کا چوری ہونا ہے۔ اب چوری تھوڑی ہو یا زیادہ، دونوں صورتوں میں حرام ہے۔ اس میں کم و بیش، قلیل وکثیر کا حکم ایک ہی ہوگا کہ سب صورتیں حرام ہوں گی۔ اسی طرح مُردار حرام ہے، خنزیر کا گوشت، نشہ آور چیز حرام ہے۔ ڈاکہ حرام ہے۔ غصب اور ظلم حرام ہے۔ ان سب میں کم و بیش، قلیل وکثیر کا ایک ہی حکم ہوگا۔ اور سب صورتیں حرام ہیں۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ شریعت کسی چیز پر فساد کی وجہ سے حُرمت کا حکم لگاتی ہے۔ اور فساد خواہ قلیل ہو یا کثیر دونوں واجب الاجتناب ہیں۔

دین میں اس قسم کا تجدّد، تجدد اصلاح نہیں، تجدّد فساد ہے اور تقلید فرنگ کا بہانہ ہے۔ بقول اقبالؔ

محسوس یہ ہوتا ہے کہ آوازۂ تجدید
مشرق میں ہے تقلید فرنگی کا بہانہ

مُسلم اور حربی، عبد اور مولیٰ میں جوازِ ربوٰ نہیں بلکہ عدم وجود ربوٰ ہے بعض مغرب زدہ استدلال پیش کرتے ہیں کہ فقہ میں مسلمان اور حربی، مولیٰ اور غلام کے درمیان عدم ربوٰ کی صورت کو جائز قرار دیا گیا ہے، یہ غلط ہے۔ ان دونوں صورتوں میں فقہ نے جواز ربوٰ کا فتویٰ نہیں دیا بلکہ ربوٰ کے وجود سے انکار کیا۔ یعنی ان دونوں صورتوں میں ربوٰ شرعی متحقق نہیں۔ نہ یہ کہ ربوٰ شرعی متحقق ہے لیکن جائز ہے۔ ان دونوں صورتوں میں آسمان و زمین کا فرق ہے۔ ربوٰ کا شرعی مفہوم یہ ہے کہ بلا عوض مقابل کسی دوسرے شخص کا معصوم مال حاصل کیا جائے۔ عبد اور مولیٰ میں اگر کوئی ایسا تبادلہ ہو جائے کہ مولیٰ نے غلام کے ہاتھ سے دو روپے ایک روپے کے عوض میں لئے تو چونکہ عبد اور غلام کے وہ دُو روپے درحقیقت خود مولیٰ کے ہیں، اس لئے دو مالکوں میں تبادلہ نہیں ہوا۔ بلکہ یہ ایسا ہوا کہ ایک مالک نے کسی شخص یعنی غلام کے پاس ایک روپیہ بطور امانت رکھا۔ اور دو روپے اپنے جو اُس کے پاس تھے، وہ واپس لے لئے۔ اسی طرح حربی کا مال مباح ہے۔ شکار اور صید کی طرح اس کی ملکیت نہیں۔ مالک حقیقی نے اس کی ملکیت

کو ختم کیا ہے۔ اب صرف قبضہ ہی فیصلہ کن ہے۔ جب حربی کے مال پر قبضہ کیا گیا تو یہ ایسا ہے جیسے شکار پر قبضہ کیا جائے۔ یہ بھی دو مالکوں میں تبادلہ نہیں۔ یہی راز ہے کہ فقہاء نے ان دونوں صورتوں میں یہ لفظ استعمال نہیں کیا۔ یجوز الربٰو بین المسلم والحربی و بین العبد و مولاہ بلکہ یوں تعبیر کی کہ لا ربٰو بین المسلم والحربی ثم ولا بین العبد و مولاہ۔ یعنی دونوں صورتیں سرے سے ربٰو نہیں۔ اور نہ ربٰو کا شرعی مفہوم ان میں موجود ہے۔

اسلام نے اکتنازیت اور احتکاریت اور وسائل رزق پر ایک طبقہ کا قبضہ ختم کیا۔ اور اشتراکیت کے خلاف شخصی حرّیت کو برقرار رکھا

والذین یکنزون الذھب والفضۃ ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ فبشرھم بعذاب الیم۔ جو مال کا خزانہ جمع کرتے ہیں۔ اور فقراء پر خرچ نہیں کرتے، اُن کو دردناک عذاب کی خبر سُنا دو۔ (قرآن)۔ الذی جمع مالاً و عددہ یحسب ان مالہ اخلدہ کلّا لینبذن فی الحطمۃ۔ جو لوگ مال جمع کرتے ہیں۔ اور گن گن کر اس کو رکھتے ہیں ان کو دوزخ میں ڈالا جائے گا۔ (قرآن)۔ صحیح مسلم میں معمر مرفوع حدیث نقل کرتے ہیں۔ من احتکر فھو خاطی۔ جو انسانی خوراک کو گرانی کی نیت سے ذخیرہ کرے، وہ مجرم ہے۔ قرآن نے یہ ارشاد فرما کر ایک طبقہ کے انسانی ذرائع معاش پر قبضہ کرنے کو رد کیا۔ خلق لکم ما فی الارض جمیعا و جعلنا لکم فیھا معایش۔ یعنی زمین کے تمام ذرائع معاش سے استفادہ کرنا تمام انسانوں کا حق ہے۔ ہر انسان اپنی فطری قوۃ فکر و عمل سے اکتساب رزق حلال اور اضافہ ملکیت شخصی میں حدود شریعت کے اندر رہ کر آزاد ہے۔ اور مالداری کا فطری تفاوت عین فطرت و حکمت ہے۔ نحن قسمنا بینھم معیشتھم و رفعنا بعضھم فوق بعض درجات لیتخذ بعضھم بعضاً سخریا۔ ہم نے فطرتاً اکتساب معیشت کی قوتیں انسانوں میں تقسیم کی ہیں۔ اور اُن میں اونچ نیچ رکھی ہے تاکہ ایک دوسرے سے کام لے سکیں۔ بیضاوی لکھتے ہیں کہ ایک دوسرے کو اپنے کاموں کے لئے استعمال کر سکیں۔ اور ان میں اُلفت اور نظم قائم ہو تاکہ نظامِ عالم درست رہ سکے۔

حکمت تفاوتِ مالی جس حکمت کی طرف قرآن نے اجمالی اشارہ کیا، اس کی تفصیل یہ ہے کہ نظم بشری اور جماعتِ بشریہ کی تالیف ایک اہم نصب العین ہے۔ انسانی فطرت دیگر حیوانات کے برخلاف اجتماعیت کی مقتضی ہے۔ ہر حیوان بجز انسان کے الگ تھلگ رہ سکتا ہے۔ لیکن انسان

مدنی الطبع ہونے کی وجہ سے اجتماعیت کے بغیر ایک لمحہ کے لئے بھی انفرادی صورت میں زندگی نہیں گزار سکتا۔ انسان کو کپڑے کی ضرورت ہے تاکہ رفع حر و قر یعنی گرمی اور سردی سے بدن کی حفاظت کر سکے۔ کپڑا سوت سے بنتا ہے۔ لہٰذا اس کو ایک مزارع کے تعاون کی ضرورت ہے کہ وہ کپاس کاشت کرے۔ پھر اس کو کپاس میں سے روئی اور بنولے کو ایک دوسرے سے جدا کر دینے کے لئے ایک اور معاون کی ضرورت ہے۔ روئی کو کات کر دھاگہ بنانے کے لئے وہ کاتنے والے کا محتاج ہے۔ دھاگہ حاصل ہونے کے بعد اس کو جولاہے کی ضرورت ہے کہ کپڑا تیار کرے۔ سینے کے لئے اس کو درزی اور رنگانے کے لئے رنگ ساز کی ضرورت ہے۔ اس پوری جماعت کے تعاون کے بعد وہ کپڑے سے استفادہ کر سکتا ہے۔ اسی طرح اگر اونی اور ٹسری کپڑا ہو یا عورتوں کے لئے ریشمی کپڑا تو ان سب میں ایک انسان کو دیگر متعدد انسانوں کی اعانت کی ضرورت ہے۔ کیونکہ ایک انسان خود تنہا یہ سب کام انجام نہیں دے سکتا۔

اسی طرح انسان کو مکان کی بھی ضرورت ہے جس میں اینٹ، چونہ، پتھر اور سیمنٹ حاصل کرنے کے لئے اس کو دوسرے انسانوں سے مدد لینی پڑتی ہے۔ لکڑی کے کام کے لئے بڑھئی اور نجار اور لوہے کے کام کے لئے لوہار، تعمیر کے لئے معمار اور مزدور کی ضرورت ہے، جب کہیں جاکر مکان تیار ہوگا۔ علی ہذا القیاس خوراک کی فراہمی کے لئے غلہ کاشت کرنے والا، پیسنے والا، توا یا تنور بنانے والا، ہنڈیا تیار کرنے والا اور مصالحہ فراہم کرنے والے کی امداد کی ضرورت ہوتی ہے۔ جگہ صاف کرنے کے لئے بھنگی۔ حجامت کرنے کے لئے حجام اور کپڑے دھونے کے لئے دھوبی کی ضرورت ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ انسان کی پوری زندگی کا نقشہ انفرادی نہیں، اجتماعی ہے۔ اور انسان کا یہ اجتماعی نظام حیات حاجت پر مبنی ہے۔ اسی حاجت کی وجہ سے افرادِ انسانی میں ربط، جوڑ اور نظم قائم ہے۔ اگر سب انسان مالداری میں برابر ہوں تو ایک انسان دوسرے سے کس طرح کام لے سکے گا۔ مثلاً اگر مساوی انسانوں میں سے ایک دوسرے سے کہے کہ میری حجامت بناؤ تو وہ کہہ سکتا ہے کہ تم میری حجامت بناؤ۔ میں تم سے کس بات میں کم ہوں۔ یا یہ کہے کہ میرے کپڑے دھو ڈالو تو وہ یہ کہہ سکتا ہے کہ تم میرے کپڑے دھو لو کیونکہ ہم دونوں برابر ہیں۔ قُلی سے کہا جائے کہ یہ صندوق اُٹھاؤ تو وہ یہ کہہ سکتا ہے کہ میں کیوں اُٹھاؤں۔ مجھے اُٹھانے کی حاجت نہیں تم خود اُٹھاؤ۔ بہرحال کام لینے کے لئے تفاوت کا وجود ضروری ہے کہ کام لینے والا کام کا محتاج ہو اور کام کرنے والا اُجرت اور پیسے کا محتاج ہو۔ اسی طرح عمل اور مال میں تبادلہ ممکن ہو سکے گا۔ اور اگر مال یکساں ہو تو یہ تبادلہ ممکن نہیں۔

ہر انسان کو اپنا کام اور عمل خود کرنا پڑے گا۔ اور انسانوں کی ربطِ باہمی کا خاتمہ ہو جائے گا۔ کیونکہ مدارِ ربط حاجت ہے۔ یہ قدرت کا عجیب انصاف ہے کہ ربط قائم کرنے کے لیئے مالی تفاوت کی ضرورت تھی تاکہ کم مال والا، مالدار کے لئے کام کر کے مال کما سکے۔ لیکن اگر حاجت صرف عامل کی طرف سے ہوتی تو مالدار فرعونِ بے سامان بن جاتا۔ لہذا قدرت نے دو طرفہ حاجت کا نظام قائم کیا ہے۔ عامل اور مزدور کو مال کی حاجت ہے اور مال دار کو قدرت نے عمل کا محتاج بنایا تاکہ دو طرفہ حاجت کی وجہ سے ہر ایک دوسرے کا محتاج رہے۔ اور کسی میں شانِ استغناء اور بے نیازی پیدا نہ ہو کہ کوئی ایک دوسرے پر زیادتی کر سکے۔

جوشِ عمل کے لیئے حریت کی ضرورت اسلام نے شخصی ملکیت کو برقرار رکھ کر مالکانِ ملکیت کے تعطل کو دور کر کے ان میں جوشِ عمل پیدا کیا۔ اور اُن کو حیوانیت سے اُٹھا کر مقامِ شرفِ انسانیت پر پہنچایا تاکہ وہ نظامِ اشتراکی کی طرح حکومت کے لیئے مشین بن کر کام نہ کریں بلکہ ایک مالکِ بااختیار کی طرح سعی و عمل میں مصروف رہیں۔ اشتراکی معاشی نظام میں انسان دیگر انسانوں پر خدائی قائم کرتا ہے۔ اور اس کی تمام قوتوں کو خود مختارانہ نہیں بلکہ اپنے منشاء کے مطابق استعمال کرتا ہے جس سے وہ انسان نہیں رہتا۔ بلکہ حکومت کی ایک مشین بن جاتا ہے۔ قرآن نے اس حقیقت کو ان الفاظ میں واضح کیا وان لیس للانسان الّا ما سعیٰ وان سعیہ سوف یریٰ۔ کہ انسان اپنی کوشش اور جدوجہد سے آزاد استفادہ کرنے کا مالک ہے اور جو کچھ اپنی سعی سے کمائے گا۔ اس کو وہ دیکھ پائے گا۔ وھل تجزون الّا ما کنتم تعملون۔ انسان کو اپنے ہی عمل کا بدلہ ملے گا۔ یہ قانون انسان کے دنیوی و اُخروی دونوں قسم کے اعمال پر حاوی ہے۔ اشتراکی انسان سے جانور کی طرح کام لے کر اُسے گھاس چارہ کھلاتا ہے جو انسان کو حیوان بنانے کے مترادف ہے۔

حرکتِ دولت سرمایہ دارانہ نظام کی اس خامی اور کجی کو کہ اس میں دولت ایک خاص طبقہ میں ساکن ہو کر رہ جاتی ہے۔ اور دوسرے لوگوں تک حرکت نہیں کرتی، اس سے دوسرے لوگوں میں غربت اور افلاس رونما ہو جاتا ہے۔ اور انسان کے اجتماعی جسم کا ایک بڑا حصہ مفلوج ہو کر رہ جاتا ہے۔ بعینہٖ اسی طرح کہ اگر ایک شخص کے بدن کا خون چند اعضاءِ بدن میں یا ایک عضو میں بند ہو کر رہ جائے۔ اور دوسرے اعضاء کی طرف گردش نہ کرے تو وہ اعضاء یقیناً مفلوج ہو کر رہ جائیں گے۔

ایک شخص کے لئے خون اور جماعت بشری کے لئے دولت یکساں طور پر موادِ حیات ہے۔ قرآن نے پہلے اس بنیادی اصول کا اعلان کیا۔ لکی لا یکون دولۃ بین الا غنیاء منکم کہ تقسیم سب میں اس لئے ضروری ہے کہ مال صرف اغنیاء کے طبقے میں گردش نہ کرنے پائے۔ یہ تو اس بنیادی اُصول کا اعلان تھا۔ لیکن اسلام نے اس پر اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ اسلام نے اصلاحِ معاش کے لئے ایسے قوانین نافذ کئے، جن سے حرکتِ دولت پر عمل ہو۔

۱ - اندرونِ زمین جس قدر دولت ہے۔ خواہ سونا چاندی ہو یا لوہا، اِن میں فقہ اسلامی کے تحت ⅕ یعنی خمس فقراء کو دلوایا تاکہ گردشِ دولت کی تکمیل ہو۔ (فتح القدیر باب الخمس)۔ یہ تو معدنیاتِ باطنہ کا حال ہے جو محنت و مشقت کے ذریعہ نکالے جاتے ہیں۔ باقی معدنیاتِ ظاہرہ وہ مجموعی حیثیت سے تمام عوام کا حق ہے۔ کسی شخص کے ساتھ یا کسی طبقے کے ساتھ مختص نہیں۔ (مغنی ابن قدامہ جلد ۶ صفحہ ۱۵۷)

۲ - زمین کی ایسی پیداوار جس کی آب پاشی میں تکلیف نہ ہو۔ اس میں فقراء کے لئے دسواں حصہ ہے۔ ما سقتہ السماء اد کان عشریا ففیہ العشر (صحیحین عن ابن عمرؓ) جو زمین بارش سے سیراب ہو یا دریا کی نمی سے نشو و نما پائے، اس کی پیداوار میں فقراء کا حق دسواں حصہ ہے۔

۳ - جو زمین رہٹ، ڈول، ٹیوب ویل سے سیراب ہو، اس کی پیداوار میں فقراء کا بیسواں حصہ ہے۔

۴ - نقد اور اموالِ تجارت اور تمام کاروباری آمدنی میں نصاب اور ایک سال گزرنے کی شرط پر فقراء کے لئے چالیسواں حصہ یعنی ڈھائی فی صد کا حق ثابت ہے۔ تقریباً اسی کے لگ بھگ ان مویشیوں میں بھی فقراء کے لئے زکوٰۃ کا حصہ مقرر ہے، جس کی تفصیل فقہ میں ہے۔ مثلاً پانچ اونٹوں میں ایک بکری یا اس کی قیمت۔ چالیس بکریوں یا دنبوں میں جو چرکر پلتے ہوں، ایک بکری یا ایک دنبہ یا اس کی قیمت۔ گائے، بیل اور بھینس اگر تیس ہوں۔ تو یک سالہ بچہ۔ چالیس ہوں تو دو سالہ بچہ۔

قانونِ استحبابی۔ فقراء نوازی حسنِ اخلاقی کے ذریعہ نہ حسنِ عدوانی کے ذریعہ

اگر ایسی حالت پیدا ہو جائے کہ عوام غربت اور افلاس کے شکار ہوں تو امراء کے پاس اپنی ضرورت سے جس قدر مال زائد موجود ہو وہ قانونِ استحبابی کے تحت سب فقراء میں تقسیم ہو۔ ویسئلونک ماذا ینفقون

قل العفو۔ آپ سے اے پیغمبر! پوچھتے ہیں۔ فقراء پر کیا خرچ کریں۔ آپ کہہ دیں کہ تمام وہ مال خرچ کرو جو ضرورت سے زائد ہو۔

ابن حزم ضرورت کے وقت اغنیاء کے اموال کو فقراء پر برابر تقسیم کرنا لازمی قرار دیتے ہیں۔ اور اس پر اجماع صحابہ نقل کرتے ہیں

ابن حزم المحلی میں لکھتے ہیں۔ علیؓ سے روایت ہے کہ اللہ نے اغنیاء پر ضروریاتِ فقراء کو فرض قرار دیا ہے۔ اگر فقراء بھوکے اور ننگے ہوں اور اغنیاء کے نہ دینے کی وجہ سے تکلیف میں پڑ جائیں۔ تو اللہ تعالیٰ ان سے حساب لے گا اور سزا دے گا۔ ضرورت کے وقت اغنیاء سے مال لے کر سب پر برابر تقسیم کیا جائے گا۔ ابو عبیدہ بن الجراحؓ اور تین سو صحابہ نے توشہ جمع کرکے سب پر برابر تقسیم کیا۔ جن کو دو توشہ دانوں میں جمع کرکے برابر بقدر قُوت سب کو دیتے رہے۔ عربی عبارت یہ ہے:۔ عن علی ان اللہ فرض علی الاغنیاء فی اموالھم بقدر ما یکفی فقراء فان جاعوا او عروا وجھدوا بمنع الاغنیاء فحق علی اللہ ان یحاسبھم یوم القیامۃ و یعذبھم وعند الحاجہ یقسم المال علی السواء صح عن ابی عبیدۃ بن الجراح وثلاث مائۃ من الصحابۃ ان زادھم لفی فجمعوا ازوادھم فی مزودین وجُعل لقوتھم علی السواء فھذا اجماع مقطوع بہ من الصحابۃ (المحلی ج ۶ ص ۱۵۸)۔ پھر اسی طرح ابو سعیدؓ کی مرفوع حدیث اور حضرت عمرؓ سے بھی نقل کیا ہے۔ الفاظ یہ ہیں:۔ "عن ابی سعید مرفوعا من کان معہ فضل ظھر فلیعد بہ من لا ظھر و من کان معہ فضل زاد فلیعد بہ من لا زاد لہ قال فذکر اصنافا من المال حتی رئینا انہ لا حق لنا فی الفضل فضول اموال الاغنیاء فقسم ما علی فقراء المھاجرین وھذا فی غایۃ الصحہ والجلالۃ (المحلی ج ۶ ص ۱۵۸)۔ ابو عبیدہ بن الجراح کے ہمراہ تین سو صحابہ تھے۔ جن میں اکثر کے پاس توشہ یعنی زادِ راہ ختم ہو چکا تھا۔ آپ نے جن کے پاس زادِ راہ تھا، اُن سے لے کر سب پر برابر تقسیم کیا۔ اور صحابہ میں سے کسی نے اُن کے اس فعل پر اعتراض نہیں کیا۔ ابو عبیدہؓ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں اور لسانِ رسالتؐ سے آپؓ کو امینِ اُمّت کا خطاب ملا ہے۔ ابو سعیدؓ حضورؐ سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا کہ جس کے پاس ضرورت سے زائد سواری ہو، وہ اس شخص کو دے دے جس کے پاس سواری نہیں۔ اور جس کے پاس زادِ راہ زائد موجود ہو وہ اس کو دے دے، جس کے پاس زادِ راہ نہیں۔ حضور علیہ السلام نے ایسی کئی

ضرورت کی چیزیں ذکر فرمائیں۔ یہاں تک کہ ہم نے گمان کیا کہ ہمارے پاس ضرورت سے جو چیز زائد موجود ہو، اس میں ہمارا کوئی حق نہیں۔ ابنِ حزم فرماتے ہیں کہ اس پر صحابہ کا اجماع ہے۔ (المحلی ج ۶ ص ۱۸۵) حضرت عمرؓ سے ابن حزم نے نقل کیا ہے کہ آپؓ نے فرمایا مجھے جن حالات کا بعد میں علم ہوا، اگر مجھے اس کا پہلے علم ہوتا۔ تو میں دولت مندوں سے ضرورت سے زائد اموال لے کر فقراء مہاجرین پر تقسیم کرتا۔ اس روایت کی سند نہایت صحیح اور جلیل الشان ہے۔ قل العفو والی آیت اور ان روایات پر نظر ڈال کر کیا اس امر کا یقین حاصل نہیں کیا جا سکتا کہ اسلام کے معاشی نظام میں عوام کی حالت اشتراکی نظام کی نسبت زیادہ بہتر اور زیادہ پُر محبت و خلوص ہوگی۔ اور وہ تمام نقائص بھی نہ ہوں گے، جو اشتراکی نظام میں موجود ہیں۔ مولانا عبیداللہؒ سندھی فرماتے تھے کہ جب میں نے صرف اس ایک آیت یسئلونک ماذا ینفقون قل العفو کا ترجمہ لینن[1] کو سُنایا تو جوش میں آ کر اُس نے کہا کہ اگر ہم پہلے اس سے واقف ہوتے تو ہمیں کمیونزم کی ضرورت نہ ہوتی۔ بہر حال ابن حزم نے جو کچھ لکھا وہ ایک جبری قانون ہے۔ لیکن اگر اس کو باہمی رضامندی اور جذبۂ اخوت کے تحت رضا کارانہ طور پر عمل میں لایا جائے تو یہ معاشی خوشحالی کے لئے بہترین ذریعہ ہو سکتا ہے۔

قانونی مساوات اور شاہ و گدا کی برابری

امراء عوام کے حقوق کو اپنے اثر و رسوخ کے ذریعہ غصب کرتے ہیں۔ اور پھر عوام کی حق رسی نہیں ہوتی۔ لہٰذا حکومت کا ہونا نہ ہونا عوام کے لئے برابر ہو جاتا ہے۔ اسلام نے قانونی حقوق میں مساوات قائم کر کے اس خامی کو دُور کیا۔ اور شاہ و گدا کو قانون انصاف کے آگے برابر کر دیا۔ زبانی دعویٰ تو ہر حکومت یہی کرتی ہے۔ لیکن جہاں تک عمل کا تعلق ہے، اسلامی تاریخ کے علاوہ کسی دین و آئین میں مساواتِ قانونی کا عملی رنگ موجود نہیں۔ خلفاء اور شاہانِ اسلام کو ایک معمولی غریب کے دعویٰ کی جواب دہی کے لئے عدالت میں حاضر ہونا پڑتا تھا۔ اور عدالت کا فیصلہ سنتے ہی اس پر عمل کرتے تھے۔ اسلامی تاریخ مساواتِ قانونی کے عملی واقعات سے لبریز ہے۔ ہم اختصاراً اُن کو ترک کرتے ہیں۔ لیکن اس کے برخلاف انگلستان کے آئین میں صاف لکھا ہے کہ بادشاہ ہر قانون سے مستثنیٰ ہے۔

---

[1] یہ روایت صحیح نہیں۔ مولانا سندھیؒ لینن سے نہیں ملے۔ (محمد سرور)

اسلامی معاشی نظام میں اشیاءِ مشترکہ

اسلام کے معاشی نظام میں اشیاءِ مشترکہ یا بالفاظِ دیگر اسلامی اشتراکیت:

اسلام دینِ فطرت ہے۔ لہٰذا اس نے اپنے معاشی نظام میں ایسی اشیاء کو شخصی ملکیت سے مستثنیٰ کر کے مشترک عوامی ملکیت میں شامل کیا، جن کا تعلق انسانی جدوجہد اور انسانی سعی و عمل سے نہیں اور جن کی ضرورت سب عوام کو ہے۔ ان کی تفصیل حسبِ ذیل ہے۔

علویات میں سے آفتاب و ماہتاب اور سفلیات میں سے پانی دریا کا ہو یا سمندر کا۔ آگ، گھاس، نمک، خشکی یا آبی شکار مشترک ہیں۔ (ابنِ ماجہ، ھدایہ، کتاب الخراج امام ابو یوسف)۔ ان مذکورہ اشیاء کے ساتھ سب عوام کا حق متعلق ہے۔ کوئی کسی کو محروم نہیں کر سکتا۔ اور نہ حکومت عوام پر پابندی لگا سکتی ہے۔ الّا اس صورت میں کہ عوام کو اس میں نقصان ہو۔ دریا میں سے ہر آدمی کو پانی پینے کا حق ہے۔ جانوروں کو پانی پلانے کا بھی حق ہے۔ نالی کھود کر کھیت سیراب کرنے کا بھی حق ہے۔ اس میں کشتی چلا کر پیسے کمانے کا بھی حق ہے۔ اس کے پانی میں مچھلی پکڑنے کا بھی حق ہے، خواہ دریا ہو یا سمندر۔ اسی طرح خودرَو گھاس میں ہر آدمی کا حق ہے۔ خواہ خود کاٹے یا اگر مالکِ زمین کو ضرر ہو تو وہ خود کاٹ کر اس کے حوالہ کر دے۔ اسی طرح پہاڑوں سے قدرتی نمک حاصل کرنا ہر آدمی کا حق ہے کہ اس سے استفادہ کرے۔ زمینی، سمندری اور دریائی شکار پر بھی کوئی پابندی نہیں۔ تمام عوام اس سے استفادہ کر سکتے ہیں۔ اسی طرح سمندر سے جو جواہرات، عنبر وغیرہ نکلتے ہیں، وہ سب کا حق ہے۔ وفی الغایۃ فیما فی البحر لا یملک الامام ان یخص واحدا دون واحد۔ بادشاہ کا حق نہیں کہ سمندری اشیاء کو کسی کے لئے مختص کر دے۔ (شرح ھدایہ)

مرافقِ بلد | جو غیر مملوکہ زمین شہر سے باہر ہو لیکن شہر والوں کو اس کے جنگل میں سے جلانے کی لکڑی کی ضرورت ہو یا مویشی چرانے کی، ایسی زمین مشترک کہے گی تاکہ شہری ضرورت اس سے پوری ہو سکے۔ وہ موات کے حکم میں نہیں کہ کوئی ایک فرد اس پر قبضہ کرے۔ اور نہ یہ جائز ہے کہ حکومت اُسے کسی کو بطورِ جاگیر دے۔ وما کان خارج البلد من مرافقھا و محتطبا لاھلھا ومرعاھم لا یکون مواتا فی لا یملک الامام اقطاعھا (عنایۃ علی الھدایۃ ج ۴ ص ۳۵۰)

مسلسل